© rasailojaraid.com

مولانا ارشاد الحق ادارہ علوم اثریہ قسط نمبر ۱۸

احسن الکلام پر ایک نظر

(۲) "الجوہر النقی" جس کی غرض غایت امام بیہقی کی تردید اور مسلک کی حمایت ہے۔ اس میں علامہ ابن الترکمانی کا امام بیہقی کے موقف پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان سے متفق ہیں۔ حالانکہ علامہ ابن الترکمانی نے زیادتی ثقہ کے اصول پر متعدد مقامات پر اعتماد کیا ہے اور امام بیہقی پر اس اصول سے جابجا تنقید کی ہے ملاحظہ ہوں الجوہر النقی ص ۶۶، ۱۲۶، ۱۲۷، ۲۴۶ ج ا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اس قاعدہ کو علی الاطلاق صحیح قرار دیتے ہیں بلکہ دلائل کی صورت میں (اگر یہ تسلیم نہیں تو کہہ دیجئے امام بیہقی کی محض مخالفت میں) بسا اوقات موقوف کو مرفوع پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً باب الدخول فی الصوم بالنیۃ کے تحت امام بیہقی کے اس کلام

"واختلف علی الزهری فی اسناده ورفعه وعبدالله بن ابی بکر اقام اسناده ورفعه وهو من الثقات الاثبات"

پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلت اضطرب اسناده اضطراباً شدیداً والذین وقفوه اجل واکثر من ابن ابی بکر"

الجوهر النقی ص ۲۰۲ ج ۴

حالانکہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے میں تنہا ابن ابی بکر نہیں بلکہ ابن جریج اور عبیداللہ بن عمر العمری نے بھی اسے مرفوع ذکر کیا ہے، اور وہ دونوں ثقہ اور امام ہیں، بلکہ عبیداللہ العمری کے متعلق تو کہا گیا ہے کہ زہری سے روایت کرتے میں یہ امام مالک سے بھی بلند درجہ رکھتے ہیں بایں ہمہ علامہ الماردینی نے اس کے وقف کو ہی صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی کی رائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع و وقف کی صورت میں وہ زیادتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثقہ کے اصول کو علی الاطلاق صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ بنا بریں حدیث ابوالدرداء کے متعلق امام بیہقی کے حکم پر خاموشی کے یہی معنیٰ ہیں کہ وہ اصولی طور پر امام بیہقی سے متفق ہیں۔ ورنہ امام بیہقی پر تنقید نہ کرنا بالخصوص جہاں مذہب کی حمایت ہو، ایسے موقع پر خاموش گذر جانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

۳۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں یہ روایت ذکر کی ہے اور اس کے بعد امام نسائی کا یہ کلام بھی نقل کیا ہے:

"ھذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطأ انما ھو قول ابی الدرداء"

لیکن اس پر کسی قسم کا نقد وتبصرہ نہیں کیا۔

۴۔ مولانا صفدر صاحب کے محقق نیموی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف آثار السنن میں بھی اسے موقوف ہی ذکر کیا ہے۔ اہل علم علامہ نیموی اور ان کی تصانیف سے واقف ہیں۔ ان کی تصانیف کا واحد مقصد مسلک کی حمایت اور اسے مدلل کرنا ہے اور آثار السنن بالخصوص اسی مشن کی آئینہ دار ہے۔ جسے انہوں نے بلوغ المرام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہوئے حنفی مدارس میں داخلِ نصاب کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے اس روایت کو آثار السنن میں موقوف ذکر کر کے اس کے حاشیہ تعلیق الحسن میں محدثین کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قلت اخرجہ النسائی مرفوعا من طریق زید بن الحباب وقال ھذا عن رسول اللہ خطأ انما ھو قول ابی الدرداء وقال الدارقطنی رواہ زید بن الحباب عن معاویۃ بن صالح بھذا الاسناد وقال فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اری الامام الا وقد کفاھم وھو وھم فیہ والصواب انہ من قول ابی الدرداء کما قال ابن وھب واللہ اعلم انتھی کلامہ" (تعلیق الحسن ص۹۱ ط ملتان)

علامہ نیموی کا جن کی طبیعت مسلک کی حمایت میں "کریلا اور نیم چڑھا" کے مصداق ہے، اس مقام پر خاموش گذر جانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ بھی محدثین کے اس حکم سے متفق ہیں کہ یہ روایت موقوف ہے اور اس کا مرفوع ہونا شاذ ہے۔ حضرت مولانا صفدر صاحب کی خدمت میں گذارش ہے کہ کیا یہ بزرگ بھی قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں خالی الذہن ہیں یا نہیں؟ اور انہوں نے بھی "رکیک اور بعید از انصاف تاویلات" پر اعتماد کیا ہے یا صرف آپ خانصاحب ہونے کی وجہ سے [illegible] کا اظہار فرمایا ہے؟ اسی ضمن میں اس بات کی بھی وضاحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردی جائے کہ جس اصول کا آپ نے سہارا لیا کیا وہ اس کے قائل ہیں یا نہیں؟ اور اسی سے یہاں اس دعویٰ کی حقیقت بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ "ثقہ راوی کی متن وسند میں زیادت بالاجماع مقبول ہے اور حدیث موقوف و مرفوع ہونے کی صورت میں تمام محدثین کے نزدیک روایت مرفوع ہی سمجھی جائے گی" (احسن الکلام صـ۲۹۱)

کیا امام نسائی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام ابن خذیمہ، امام طحاوی، امام حاکم، امام یحیٰ بن صاعد محدثین کی فہرست سے خارج ہیں؟ وہ اجماع بھی کس قدر مضبوط ہے کہ محدثین کی ایک جماعت خارج ہونے کے باوجود "اجماع" ہی رہتا ہے اور اس کی اجتماعیت پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا!

ہم قبل ازیں زیادتی ثقہ اور وصل وارسال کے اختلاف پر بحث کر آئے ہیں اور دلیل سے ثابت کر چکے ہیں کہ ایسی صورت میں فیصلہ دلائل و قرائن پر موقوف ہوگا۔ یہ حکم علی الاطلاق صحیح نہیں۔ اس میں اجماع و اتفاق کا دعویٰ سراسر لغو، بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ مولانا صاحب نے دراصل پہلے اصول سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی کی، پھر دیگر علل کو خواہ مخواہ نظر انداز کر دیا لیکن پھر بھی مجرم الٹا امام بیہقی وغیرہ قرار پائے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"مولانا مبارکپوری صاحب کا معاملہ ہی عجیب ہے۔ وہ امام سفیان ابن عیینہ اور صحابہ کرام کے آثار سے تو حدیث کو مقید کرنا گوارا نہیں کرتے مگر اس مقام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو محض ناقص عقل اور فہم نارسا کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں (بحوالہ ابکار المنن) اور لطف کی بات یہ کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں" (صـ۲۹۲)

بھرم کھل جائے ظالم ترے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے!

ہمارا تجربہ ہے کہ جہاں مولانا صاحب دلائل سے عاجز آگئے، وہاں زور بیانی سے وقت نکال گئے۔ ہم مولانا صاحب کو ان کے زہد و تقویٰ کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ مولانا مبارکپوری صاحب نے حضرت ابو الدرداء کی حدیث کو مقید کیا یا ان کے فتویٰ کو؟ ابکار المنن آخر آثار السنن پر تنقید ہے۔ جب یہ روایت آثار السنن میں ہی موقوف ہے اور مولانا نیموی اسکے موقوف صحیح ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقرار کر چکے ہیں تو پھر اسے مولانا مبارکپوری کا "جناب رسول اللہ کی حدیث" سمجھ کر تنقید کے کیا معنی؟

؎ کچھ تو دیکھا ہوتا کچھ تو پڑھا ہوتا

پھر مولانا مبارکپوری مرحوم نے جو کہا کیا محض عقل و فہم سے کہا یا کسی دلیل سے؟ ہم ناظرین پر واضح کر دینا چاہتے ہیں، محدث مبارکپوری نے کوئی تعجب انگیز بات نہیں کی۔ خود مولانا صفدر صاحب اپنا ہوش کھو بیٹھے ہیں اور سراسیمگی کی حالت میں ان پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ محدث موصوف نے اگر حضرت ابو الدرداء کے قول کو مقید کیا ہے تو اس پر انہوں نے دلیل بھی ذکر کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"اعداد بقول ابی الدرداء لا اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاهم یعنیما عدا الفاتحۃ فحینئذ لا علیہ فتواہ روی البیہقی فی کتاب القراءۃ ص۱۰ عن حسان بن عطیۃ ان ابا الدرداء قال لا تترک فاتحۃ الکتاب خلف الامام جهرا او لم یجهر انتهی فلا حجۃ فیہ للحنفیۃ" (ابکار المنن)

یعنی حضرت ابو الدرداء کے اس قول میں کہ "جب امام کسی قوم کی امامت کرے تو میرا خیال ہے، امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہو گی" اس میں قرأت سے مراد فاتحہ کے علاوہ ہے جبکہ حضرت ابو الدرداء ہی کا فتویٰ امام بیہقی نے کتاب القراۃ میں یوں نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں چھوڑنی چاہیئے اگرچہ امام جہر پڑھے یا آہستہ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر امام رکوع میں ہو تو اسی حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے بشرطیکہ تمہیں معلوم ہو کہ سورۃ فاتحہ پوری پڑھ لوگے۔

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہ خود فیصلہ فرمائیں کیا مولانا مبارکپوری نے "قول ابی الدرداء" کہا ہے یا حدیث ابی الدرداء؛ عبارت کے خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور پھر مولانا صفدر صاحب کی دیانت داری پر انہیں داد دیں۔ اور پھر یہ کہ مولانا مبارکپوری نے اس اثر کو اگر مقید کیا ہے تو وہ بلا دلیل ہے ؎

میری ادا کو دیکھ کر، میری وفا کو دیکھ کر
بندۂ خدا منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

مولانا صفدر صاحب کو ان کی پیش کردہ دلیل سے اختلاف ہو تو یہ علیحدہ بات ہے۔ اسکا برملا ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ "عقل اور فہم نارسا کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں الخ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفید جھوٹ اور نری دروغ گوئی ہے اور نہ ہی یہ انداز اہلِ علم کو زیبا ہے۔ اسی ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا مبارک پوری نے جس دلیل کی بنا پر یہ تاویل کی ہے، وہ ایسی نہیں کہ جسے رد کر دیا جائے۔ اس اثر کے تمام راوی ثقہ اور صدوق ہیں البتہ اس میں ولید بن مسلم مدلس ہے جیسا کہ مولانا صفدر صاحب نے حصہ ثانی میں اعتراض کیا ہے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں جیسا کہ محمد بن کثیر سے اس کی متابعت ثابت ہے جس کا ذکر امام بیہقی نے کتاب القرأۃ صفحہ ۶۲ میں کیا ہے۔ وہ اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن اس کے حق میں فیصلہ وہی صحیح ہے جو حافظ ابن حجر نے تقریب میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"صدوق کثیر الغلط"

اور ایسے راوی کی روایت سے بہر حال تدلیس کا شبہ زائل ہو جاتا ہے۔ بنا بریں جب یہ اثر صحیح ہے تو اسے پیش کرتے ہوئے محدث مبارکپوری نے حضرت ابو الدرداء کے دو مختلف فیصلوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، کوئی جرم نہیں کیا جس پر مولانا صفدر صاحب آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔ مسلکی تعصب کی عینک اتار کر بات کرتے تو یقیناً اس قدر سوء ظن میں مبتلا نہ ہوتے۔

رہا مولانا صاحب کا یہ فرمان کہ اس کا موقوف ہونا اپنے مقام پر صحیح ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مرفوعاً بھی یہ روایت آئی ہے اور موقوفاً بھی۔ جب مسئلہ بیان کرنا مقصود ہوگا تو اپنا قول بیان کر دیتے ہوں گے اور جب حدیث کا بیان کرنا ہوگا تو مرفوعاً بیان کر دیتے ہوں گے" (احسن الکلام ص ۲۹۲)

تو یہ اصول بھی علی الاطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ اس میں دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر ایک ہی راوی کبھی مرفوع اور کبھی موقوف ذکر کرتا ہو اور دونوں اسناد علل غامضہ سے صاف ہوں تو ایسی صورت میں بلاشبہ مرفوع کو ترجیح دی جائے گی اور موقوف کو فتویٰ پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ عراقی فرماتے ہیں:

"اذا وقع الاختلاف من راوٍ واحدٍ ثقةٍ فی المسألتین معاً فوصله فی وقت وارسله فی وقت او رفعه فی وقت ووقفه فی وقت فالحکم علی الاصح لوصله ورفعه لا لارساله ووقفه" (شرح الفیۃ ج ۱، ص ۸۳)

لیکن اگر یہ اختلاف ایک راوی کے تلامذہ میں ہے تو پھر ثقہ اور اوثق کے اصول پر اس کی تنقیح کی جائے گی۔ اگر دونوں اسناد ہمہ عیوب سے صاف ہوں گی تو پھر مزید قرائن کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ اس کی تفصیل ہم عرض کر آئے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ ۴۸)

© rasailojaraid.com